افکار

(۱)

الامیون کی سرخی سے جو ایک مراسلہ دیکھا تو اس کو پڑھ گیا۔ اور خوش ہوا۔ آج سے چالیس برس قبل میں نے جمع قرآن پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا مسودہ اکثر اہل علم احباب کے زیر مطالعہ رہا۔ چونکہ اس میں بخاری، ترمذی اور نسائی کی جمع قرآن کے متعلق حدیث کو موضوع، کذب و افترا ثابت کیا گیا تھا اس لئے مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا اصغر حسین بہاری، مولانا ریاض احمد بہاری مرحومین نے تو مسکرا مسکرا کر کچھ پر لطف آوازے مجھ پر کسے۔ مگر مولانا عبداللہ العمادی مرحوم نے حیدرآباد دکن میں اس کو دیکھ کر بہت داد دی اور میری ہمت افزائی کی تھی۔ اس میں میں نے امی کے معنی ''ان پڑھ'' سے بالکل انکار کیا تھا اور یہی لکھا تھا کہ غیر اہل کتاب کو عرب، زمانہ جاہلیت میں امی کہا کرتے تھے۔

ومنھم امیون لا یعلمون الکتب الا امانی وان ھم الا یظنون (بقرہ: ۷۹)

وقل للذین اوتوا الکتب والامیین (آل عمران: ۲۰)

ذلك بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل (آل عمران: ۷۰)

تینوں جگہ اہل کتاب کے مقابلے میں غیر اہل کتاب کو امیین کہا گیا ھے۔ میری یہ کتاب تقریباً تیس برس تک مسودے کی شکل میں رھی اور بہت سے لوگوں کے زیرِ مطالعہ رھی۔ اس لئے اس کے اوراق کے کنارے چھڑ

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

گئے تھے - اور متعدد جگہ سے قٹ نوٹ غائب ہوگئے تھے - کسی طرح اس کو دوبارہ کاتب سے صاف کرایا - دس بارہ برس ہوئے کہ پاکستان آنے کے بعد رسالہ '' طلوع اسلام '' میں ' جب وہ کراچی سے نکلتا تھا ، پورا رسالہ چھپ گیا تھا - اس کے فاضل نسخے بھی ادارۂ طلوع اسلام نے چھپوالیے تھے - میرے پاس اس کی سو جلدیں بھیج دی تھیں جو تقسیم ہوتی رہیں - اب خود میرے پاس بھی اس کی کوئی جلد باقی نہیں رہی - اس لئے میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ کس سنہ کے کس پرچے میں وہ کتاب چھپی تھی -

اب پھر جمع قرآن پر ایک بسیط مضمون رسالہ ''خاتون پاکستان'' کراچی کے قرآن مجید نمبر کے لئے لکھ رہا ہوں۔ بلکہ لکھ چکا ہوں۔ آج کل میں بھیج دوں گا - اس میں بھی امی کے لفظ پر یہ بحث کی ہے - مگر اب تو جو کچھ لکھتا ہوں - وہی لکھتا ہوں، جو دماغ میں ہے - کتب بینی کی صلاحیت ضعف بصارت کے سبب سے باقی کہاں ہے - جو کچھ یاد ہے اس کے حوالے کی تلاش مشکل ہو جاتی ہے۔ جہاں تک ''آئی گلاس'' سے کام چلتا ہے حوالے لکھ دیتا ہوں ورنہ چھوڑ دیتا ہوں -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یتیمی کے باعث لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہ پا سکے تھے ' یہ صحیح ہے -

وما کنت تتلوا من قبله من کتب ولا تخطه بیمینك اذا لارتاب المبطلون (عنکبوت : ۴۸)

ما کنت تدری ما الکتب و لا الایمان (شوری : ۵۲)

حضرت جبریل کوہ حرا پر ایک کتاب لے کر آئے تھے - قسطلانی میں مرسل ابی عمیر کی یہ روایت ہے -

فجاء بنمط من دیباج فیه کتاب وقال : اقرأ - قال : ما انا بقارئ

(جبریل) دیباج کا ایک ٹکڑا لے کر آئے جس میں کتاب تھی اور کہا : پڑھو - آپ نے فرمایا : میں پڑھ نہیں سکتا -

اورمعانقه جبریل سے آپ کو لکھنے پڑھنے دونوں کی صلاحیت آگئی - جو آیتیں پڑھوائی گئی تھیں -

اقرأ باسم ربك الذی خلق ، خلق الانسان من علق، اقرأ و ربك الاکرم الذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم -

علم الانسان میں الف لام عہد کا لیجئے تو معہود رسول ہی ہوں گے - اور اگر جنس کا لیجئے تو جنس انسان کے فرد اکمل کا مراد ہونا ضروری ہے - ورنہ جس احسان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے نوع انسان پر اس احسان عظیم سے اس نوع کے فرد اکمل ہی محروم رہیں اور مخاطب اس کے وہی ہوں، یہ کس قدر غیر معقول بات ہے - آیت وما کنت تتلوا من قبله الخ میں من قبله لفظ بتا رہا ہے کہ ومن بعده وہ صورت باقی نہ رہی -

من قبله یعنی من قبل هذا الکتب اومن قبل نزول الوحی -

,, افکار ،، کی سرخی بھی پڑھی - میرے پاس صدق جدید بھی آتا ہے - اور پڑھتا ہوں - مولانا عبدالماجد دریا بادی سے مجھ کو محبت ہے اور میرے دل میں ان کی بڑی قدر ہے - ان کو مجھ سے شکایت ہے اور مجھ کو ان سے - مگر خوش ہوں کہ دونوں کو دونوں سے شکایت اللہ تعالی ہی کے لئے ہے - مگر کس کی شکایت حق بجانب ہے؟ اس کا فیصلہ اللہ تعالی ہی کے سامنے ہوگا - دعا ہے کہ الاعمال بالنیات کے مطابق ہم دونوں میں جو بر سر غلط ہو اللہ اس کو معاف فرماوے - مگر ہم لوگوں کے درمیان جو باہمی شکوے ہیں ، ہرچند سمجھتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالی ہی کے لئے ہیں، مگر دل کے کسی گوشے میں اللہ تعالی کے سوا ایک طرف محض اسلاف پرستی اور دوسری طرف محض اسلاف دشمنی کے جذبات تو کہیں یہ باہمی شکوے پیدا نہیں کر رہے ؟- پھر وما ابریٔ نفسی، ان النفس لامارة بالسوء پر بھی دونوں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے - ہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ ان کو اسلاف کی عزت و عظمت اوران کا بھرم باقی رکھنا بہت زیادہ عزیز ہے اور

مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور کتاب کی عظمت و حرمت اور ناموس کا زیادہ خیال ہے ۔ اسلاف کا میں دشمن نہیں ۔ میرے ہی ایک قصیدے کا ایک شعر ہے ۔

بندہ ہمت اسلافم و آں سفلہ نیم
کہ خورم من نمک و باز نمکداں شکنم

مگر جب میں صحاح تک کی ہر کتاب میں ایسی حدیثیں دیکھتا ہوں ، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے خلق عظیم پر حرف آتا ہو ۔ قرآن مجید کی محفوظیت و لاریبیت پر زد آتی ہو تو میرا خون کھولنے لگتا ہے ۔ اور جی چاہتا ہے کہ ان کتابوں کو پھاڑ کر چولھے میں جھولک دوں ۔

امام بخاری رح اپنی کتاب کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکے تھے ۔ مسودہ ہی چھوڑ کر راہئی جنت ہو گئے ۔ وہ زمانہ اقبال کا تھا ۔ شیعہ سنی کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا ۔ قدریہ ، جبریہ ، خارجی سب فرقے ملے جلے تھے ۔ اس لئے ہر کتاب میں شیعوں کا حصہ رسدی بھی تھا خارجیوں کا بھی اور قدریوں اور جبریوں کا بھی ۔ صحاح ستہ وغیرہ کو صرف اہل سنت کی کتاب کہنا غلط اور ظلم ہے سب مشترک کتابیں ہیں ۔ ابو عبداللہ الحاکم مستدرک کا ترجمہ لسان المیزان میں دیکھ لیجئے ۔ یہ شیعہ تھے مگر خلفائے ثلاثہ کے مناقب کی حدیثیں بھی روایت کرتے تھے ۔ مستدرک میں موجود ہیں ۔ اہل سنت تو کسی سے عناد نہیں رکھتے اس لئے حضرت علی ، حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کے مناقب میں جو حدیثیں شیعوں نے پیش کیں بسر و چشم قبول کرلیں مثلاً الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ ۔ خالص شیعوں کی حدیث ہے ۔ اس کے راوی یزید بن ابی زیاد الکوفی تھے ان کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہیں کی ۔ ان سے کئی شخص روایت کرتے ہیں تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کان من ائمۃ الشیعۃ الکبار مگر ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے ، اس تصریح کے ساتھ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد ہی کی وجہ سے ہم جانتے ہیں ، وہ زمانہ باہمی تعصبات کا نہ تھا اور نہ اس وقت ہر فرقے نے اپنے عقائد میں باہمی تنافر و تباغض کی باتوں کو داخل کر کے باہمی دشمنی پیدا کرلی تھی ۔ ابو اسحق السبیعی ، سلیمان الاعمش منصور بن معتمر وغیرہم کوفے کے سر خیل محدثین تھے ۔ صحاح ستہ کی ہر کتاب ان کی

حدیثوں سے بھری پڑی ہے - اور یہ سب شیعے تھے- کاش آج بھی سنی شیعہ اسی زمانے کی طرح شیر و شکر بن کر رہتے- عوف اعرابی کی حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہ میں بیسیوں ہیں مگر تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کان قدریا شیطانا خبیثا پھر محدثین کے بعد ان کی کتابیں مسودے کی شکل میں ان کے تلامذہ کے ہاتھوں میں آکر بھی کمی بیشی و تصحیف و تحریف سے بچتی نہ تھیں- صحیح بخاری میں کتنی ہی حدیثیں آپ کو ملیں گی جن کو امام بخاری خود اپنی ذات سے روایت کر رہے ہیں - مثلاً باب الافک کی داستان والی لمبی حدیث کے بعد ایک مختصر سی حدیث کے بعد یعنی اس باب کی تیسری حدیث پڑھئیے :

حدثنا ابو عبداللہ محمد بن اسمعیل بن ابراھیم بن المغیرۃ الجعفی رحمۃ اللہ علیہ

فرمائیے کیا یہ امام بخاری کے بعد ان کے کسی شاگرد نے نہیں لکھا ہے یا امام بخاری خود لکھ رہے ہیں ؟ اس لئے اس کتاب میں بعض کذب صریح بھی موجود ہے - اور تقریباً یہی حال صحیح مسلم کا ہے -

قل یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکم

صرف اہل کتاب ہی کے لئے غلوفی الدین ممنوع ہے مسلمانوں کے لئے جائز ہی نہیں بلکہ غلو فی الدین ہی پر ان کے ایمان کا دارو مدار ہے -

مالکم - کیف تحکمون ؟

میری ایک کتاب بصورت مسودہ پڑی ہے - البراغیث من الوراقین و کتاب الاحادیث - ایک جماعت ملاحدہ و منافقین ، خوشنویسی سیکھ کر کتابت کا پیشہ اختیار کرلیتی تھی - محدثین ان کو اپنے مسودات صاف کرنے کے لئے دیتے تھے اور یہ لوگ ان حدیثوں میں رد و بدل اور کمی بیشی کردیا کرتے تھے- بعض وراقی دفتری کا پیشہ اختیار کر کے یہی حرکتیں کیا کرتے تھے- بعضوں کے بھانجے بھتیجے اپنی بد عقیدگی کے باعث اپنے بزرگوں کی کتابوں میں تحریفیں کیا کرتے تھے- میں نے ڈیڑھ ہزار کاتبین و وراقین کے حالات جمع کئے ہیں- خود اپنی طرف سے ایک حرف بھی نہیں بڑھایا ہے - جو کچھ ذھبی اور ابن حجر و غیرھما

نے لکھا ہے نقل کردیا ہے۔ امام مالک کا کاتب حبیب بن ابی حبیب، وراقی بھی کرتا تھا۔ اول درجے کا کذاب اور بڑا مفتری تھا۔ ذہبی و ابن حجر دونوں نےاس کا مفصل حال لکھا ہے۔ امام مالک کی حدیثوں کا کیا حال اس نے کیا ہوگا، اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔ اس لئے میں ائمہ حدیث کا احترام فرض سمجھتاہوں اور اس کا مجھ کو یقین ہے کہ ایسی گمراہ کن حدیثیں منافقین نے ان کتابوں میں داخل کردی ہیں - جس طرح بخاری میں جمع قرآن کا پورا باب بنا کر داخل کردیا اور مختلف مقام پر اس کی حدیثیں ٹھونس دیں - یہی حال ترمذی و نسائی کا بھی کیا۔ مسلم میں اس کا موقع نہ مل سکا - اس لئے صحیح مسلم جمع قرآن کی داستان سے بچ گئی -

غرض میرے دل میں الذب عن رسول‌اللہ و عن کتاب‌اللہ کے جذبات کار فرما رہتے ہیں اور جو لوگ مجھ سے خفا رہتے ہیں ان کےدلوں میں الذب عن‌المحدثین و المفسرین و الفقہاء کا جذبہ کار فرما ہے - فای الفریقین حق بالامن -

مگر اب تو میں اسی (۸۰) کے قریب پہنچ چکا ہوں- مجھ سے خفا رہنےوالے احباب گھبرائیں نہیں (لکاتبہ غفرلہ)

کچھ دنوں اور رہیں اہل‌محلہ بےچین ۔۔۔ نہ سنےگا کوئی نالوں کی صدامیرے بعد

مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض ہے -

قدر کر قدر کر اے خار بیابان میری ۔۔۔ پھر نہ آئیگا کوئی آبلہ پا میرے بعد

ہنگام رحیل آمد بیچارہ تمنا را ۔۔۔ پائے بزمیں دارد و پائے برکاب اندر

عزیز حبیب مولانا عمر احمد عثمانی سلمہ اللہ تعالی کا مضمون طلاق کے احکام جس قدر چھپا ہے، پڑھ گیا - (باقی آئندہ) ہے تو پھر اس کے متعلق آئندہ ہی کچھ لکھوں گا۔ میرا سلام مسنون و دعائے خیر قبول فرمائیں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

و السلام
ایک پا بہ رکاب مسافر دارالقرار
تمنا عمادی غفرلہ

(۲)

اقبال علیہ الرحمہ کے بقول یہ محکومی کی سمیت ہے جو دماغ کی صحت کو خراب کر کے اپنے مریضوں میں ان علامات کا باعث بھی ہوتی ہے :

کیش او تقلید و کاوش آذری ست
ندرت اندر مذھب او کافری است
تازگیہا وھم و شک افزایدش
کہنہ و فرسودہ خوش می آیدش
چشم او از بہر رفتہ از آئندہ کور
چوں مجاور رزق او از خاک گور

مرض کے لا علاج ہونے کے باوجود دعا و تمنا ہے کہ آپ حضرات کے پر مغز و دل نشین خیالات کے قبول کی صلاحیت امت میں جلد پیدا ہوجائے ۔ نان پز سے نان دیروزہ کی فرمائش اس بنا پر صواب و باعث ثواب نہ خیال کی جائے کہ اس کا زمانہ تابعین سے قریب تر ہے ۔

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کی اعلی ریشنل (Rational) تحریر ''ربا'' پر اور حقیقت نگار مولانا عثمانی صاحب کی وحدت ازدواج اور غلط عمر کی شادیوں کے متعلق تحریریں انشاء اللہ بار آور ہوکر رہیں گی ۔

سلام و اکرام کے ساتھ
خاکسار
اسلم عمر
کراچی

محترم دریابادی کے نام

اس خبر پر کہ مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی، کراچی اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ، کراچی کے درمیان افہام و تفہیم کی صورت نکل آئی ہے اور ان دونوں اداروں میں تعاون کی راہ ہموار ہوتی نظر آتی ہے، مدیر ''صدق جدید'' لکھنؤ نے ۲۲ جولائی ۶۳ء کی اشاعت میں فی الجملہ اظہار مسرت کے بعد لکھا -

توقعات کو بہت زیادہ قائم کرنا صحیح نہ ہوگا ... تعاون بس ایک خاص ہی حد تک ہوسکتا ہے - اس سے زیادہ نہیں - مولانا بنوری کے ادارے خالص دینی رنگ کے ہیں- ادارہ تحقیقات اسلامی اس کے برعکس ایک علمی ادارہ ہے ...... ''

علم اور دین کے اس '' محدود تعاون '' کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے متعلق مدیر '' صدق '' نے ایک لفظ تک براہ راست نہیں فرمایا - اگرچہ یہ نظریہ اپنے اندر سنگین نتائج رکھتا ہے- اس بنیادی مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالنے کے بجائے دریا بادی صاحب نے میرے متعلق یہ فیصلہ دیا کہ میں '' مستشرق '' ہوں - ان بیانات سے صرف یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ ہمارے ''علم'' سے بحیثیت '' علم '' کے مدیر '' صدق '' کو غالباً کوئی شکایت نہیں - لیکن شکایت ہے تو یہ کہ شاید اس ''علم'' سے دین کو کچھ خطرہ ہو (عیاذا باللہ) - اسی لئے تو ان کے نزدیک '' علم '' اور '' دین '' میں ایک محدود تعاون ہوسکتا ہے اور بس -

ہم نے مدیر ''صدق'' کے اس موقف کو دیانتداری کے ساتھ نہ صرف غلط بلکہ خطرناک تصور کیا اور کہا کہ یہ تفریق — یعنی علم و دین کی — ہمیں دین و دنیا کی تفریق کے مشہور موقف کی طرح نظر آتی ہے - اس پر دریابادی صاحب '' صدق جدید '' کی اشاعت مورخہ ۱۸ ستمبر ۶۳ء میں تحریر فرماتے ہیں -

''دین و دنیا کو ایک سمجھ لینے - ان میں غیریت نہ کرنے اور ان کی عینیت کے قائل ہوجانے کا دعویٰ اس درجہ عجیب و غریب اور عقل و نقل سے اتنا بعید ہے کہ اپنی آنکھوں پر یقین کرنے نہیں بنتا ...... عجیب ہوگا کہ کوئی بچہ بھی اس دوئی سے، تغایر سے انکار کرے ... کہنے والوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ دین و دنیا کے درمیان تضاد نہیں - ''

مدیر صدق سے گذارش ہے کہ ''تفریق''، ''دوئی'' اور ''تغایر'' مختلف معانی پر صادق آتے ہیں - اور عبارت کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ کونسا معنی مراد ہے- کیا ہم نے کبھی کہا ہے کہ لفظ ''دین'' اور ''دنیا'' ہم معنی ہیں؟ یا ''علم'' اور ''دنیا'' مترادف الفاظ ہیں - ہماری طرف ایک ایسی '' ظاہر البطلان '' بلکہ مضحکہ خیز بات کی نسبت کرنا نہ تو آپ کے ''علم'' کو زیب دیتا ہے نہ '' دین '' کو - ذرا غور فرمائیے - نفی اور اثبات میں ایک دوئی ہے جو منطقی تضاد ہے - ٹھنڈک اور گرمی میں ایک دوئی ہے جو طبعی تضاد اور تصادم ہے - باپ اور بیٹے میں ایک اور قسم کی دوئی ہے - لیکن یہ ہر معنی میں لازمی طور پر تضاد اور تصادم نہیں بلکہ ان دونوں میں پورا '' تعاون '' ممکن ہے- ایک انسان کے جگر، قلب اور دماغ میں بھی '' دوئی '' (بلکہ ثلاثیت) ہے - لیکن ان میں نہ صرف تصادم نہیں اور نہ صرف '' پورا تعاون '' ممکن نہیں بلکہ اس پورے تعاون کے بغیر انسان یا زندہ نہیں رہ سکتا یا کم از کم صحت مند نہیں رہتا - الغرض دنیا میں دوئی اور تغایر کی اتنی ہی شکلیں موجود ہیں جتنی قسم کی نسبتیں اور رشتے پائے جاتے ہیں - آخر میں ملاحظہ فرمایا جائے کہ نظری اعتبار سے یہ ممکن ہے کہ دو چیزوں میں نہ کوئی تضاد کی نسبت ہو نہ تعاون کی بلکہ مطلق تغایر کی - ظاہر ہے ہم نے آپ کی طرف یہ تو منسوب نہیں کیا تھا کہ آپ علم اور دین (یا دین اور دنیا) میں مطلق تضاد کے قائل ہیں - اگر آپ کی یہ رائے ہوتی تو آپ علم اور دین کے مابین '' محدود تعاون '' کے بھی قائل نہ ہوتے - لیکن آپ کا ہماری طرف ۱۸ ستمبر کے صدق سے اوپر نقل کردہ عبارت میں یہ منسوب کرنا کہ ہم علم اور دین کو (یا دین اور دنیا کو) ہم معنی سمجھتے ہیں اور ان کی عینیت مطلقہ کے قائل ہیں، ایک (خاکم بدھن) برہنہ سوفسطائیت

کا ارتکاب ھے جس کی آپ ایسے بزرگوار سے سرزدگی ھمارے لئے باعث تشجیع نہیں ھوسکتی - سوال یہ ھے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ علم اور دین میں صرف " ایک حد تک تعاون ھوسکتا ھے اور بس " آخر علم و دین (یا دین و دنیا) کے درمیان کس قسم کی دوئی یا رشتے پر دلالت کرتا ھے؟

اگر مثال تقریب الی الفہم کا کوئی مؤثر ذریعہ ھے (باوجود تمام مثالوں کے ص‌ناقص ھونے کے) تو ھمارے نزدیک، علم اور دین کا باھمی رشتہ کچھ ایسا ھی ھے جیسا قلب و دماغ کا - اگر دونوں کا باھمی پورا تعاون نہ ھو تو دونوں کا فساد لازم ھے - تقریباً اسی طرح ھم دین اور دنیا کو بھی سمجھتے ھیں کہ ان کے باھمی پورے تعاون کے بغیر دونوں کا فساد لازم ھے - اب اگر قلب اور دماغ میں ٹھیک تعاون نہیں ھورھا تو ممکن ھے ایک میں خرابی ھو یا دونوں میں، جس کی وجہ سے یہ تعاون مفقود ھے - اسی طرح اگر علم اور دین میں صرف " محدود تعاون " ھی متصور ھے تو یہ ایک خطرناک علامت ھے — یا علم کی خرابی کی یا دین کے فساد کی یا دونوں کی — اگر ھمارے علم میں گمراھی ھے تو ھمیں علمی طور پر آگاہ فرمایا جائے تاکہ ھم اپنے علم کو درست کرلیں - لیکن محض " استشراق " یا " مستشرقانہ " کہنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ھوتا - اور اگر علمی انکشافات میں کوئی خرابی نہیں تو اگر وہ "دین" سے بعض اوقات ٹکراتے معلوم ھوتے ھیں تو " اھل دین " حضرات کو متنبہ فرمایا جائے کہ دین کا تصور علمی حقائق کے مطابق کرلیں- اگر یہ کہا جائے کہ علم بہر حال انسانی فہم کی پیداوار ھے اور دین منزل من اللہ ھے تو یہ بات تو صحیح ھے لیکن جو چیز منزل من اللہ ھے وہ تو دین ھے نہ کہ لازمی طور پر وہ تصورات جو دین کے متعلق انسانی فہم نے پیدا کردیئے ھیں -

ایک کجرو علم جو دینی شعور اور مرضیات الٰہی سے بزعم خود بے نیاز ھو ھمارے نزدیک بالکل فاسد ھے - (علم اور دینی شعور کے رشتہ کے متعلق ملاحظہ فرمایا جائے میرا مقالہ بعنوان "قرون اولی کے تشکیلی دور کے بعد کا اسلام" مطبوعہ فکر و نظر ماہ جولائی ۶۴ء، جہاں مسلمان فلاسفہ کے دینی نظریہ علم پر میں نے تنقید کی ھے) -

اسی علم کی تنقید میں قرآن کریم نے فرمایا ھے : ذلك مبلغهم من العلم لیکن دوسری طرف یہ سمجھ لینا کہ صحیح علمی حقائق اور انکشافات سے دین کو ''محفوظ'' کر کے رکھا جاسکتا ھے محض ایک خوش فہمی ھے اور دین سے دشمنی - اس لئے کہ اس سے دین کے سوتے سوکھتے ھیں - اسی طرح یہ خیال کرنا دنیا کا فساد اور انتہا کی کوتاہ نظری ھے کہ دینی مطالبات کو چھوڑ کر دنیا ''کمائی'' جاسکتی ھے - اور پائدار رہ سکتی ھے - یا دوسری طرف یہ کہ دنیا کو خیر باد کہہ کر دین ''کمایا'' جاسکتا ھے - یہ محض ایک واھمہ ھے - الغرض دونوں کے درمیان ''محدود تعاون'' نہیں ''مکمل تعاون'' از بس ضروری ھے -

پھر آپ دین اور علم کے تغایر پر استدلال کرتے ھوئے فرماتے ھیں کہ یونیورسٹیوں میں دینیات کے شعبے باقی علوم کے شعبوں سے الگ ھوتے ھیں ' سبحان اللہ ! یہ کیسی دلیل ھے ؟ یہ تو اس بات کی دلیل ھے کہ دینی علم الگ ھوتا ھے (دین نہیں) - تو ایسے تو سیاسیات کا علم بھی الگ ھوتا ھے اور تمام علوم ایک دوسرے سے متمایز شعبے رکھتے ھیں - لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ھوا کہ دین علم سے الگ ھے - کیونکہ اگر یہ استدلال صحیح ھے تو پھر تو سیاست بھی علم سے الگ ھے اور علم المعاشرہ بھی علم سے الگ ھے اور فزکس بھی علم سے الگ ھے - اور تمام علوم علم سے الگ ھیں !! آپ جو مطالبہ بجا طور پر کر سکتے ھیں اور جس کے سامنے سر تسلیم خم ھے وہ یہ ھے :

کہ - (۱) ایک صحیح اور قوی دینی شعور ھونا ضروری ھے جسے آپ کے آخر کے شعروں میں ''عاشقی'' اور ''کیفیت'' اور ''حال'' کہا گیا ھے - اگر ان خانقاھی اصطلاحات کی بجائے آپ ''قوت ایمانی'' جیسا کوئی کلمہ استعمال فرماتے تو وہ قرآن کی رو سے زیادہ صحیح اور مولانا بنوری کے مذاق و مسلک سے قریب تر ھوتا اور (۲) کہ اس ایمان یا عشق

کے عروض کے لئے حقائق حقہ متعین ہونے چاہئیں جو صحیح علم اور بصیرت سے ہی ہوسکتے ہیں - ورنہ بت پرست بتوں کا عاشق ہے اور قبر پرست قبروں کو پوجتا ہے - ایمان کا مورد صحیح طور پر متعین ہونا چاہیئے اور وہ علم سے ہی ہوسکتا ہے -

یہ بات یاد رکھنی چاہئیے کہ اگرچہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں ہر علم کے شعبے الگ ہیں لیکن وہاں دینیات کے طالب علم صرف دینیات ہی نہیں پڑھتے بلکہ ساتھ ساتھ دیگر علوم کو بھی بطور مضامین کے لے لیتے ہیں - اس سے دین کو بھی تقویت پہنچتی ہے -

لیکن افسوس ہے کہ آپ کا رویہ مطلقاً علم کی طرف کوئی صحتمندانہ نظر نہیں آتا - '' صدق جدید '' کے اسی ۱۸ ستمبر کے شمارہ میں آپ نے ''بےخداؤں کی دنیا '' کے عنوان سے ایک خبر شایع کی ہے کہ ایک امریکن ماہر معاشیات نے متنبہ کیا ہے کہ اگر ضبط نسل پر عمل نہ کیا گیا اور انتاج غلہ میں تمام ممکن ذرائع سے اضافہ نہ کیا گیا تو اس کے اندازے کے مطابق ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے درمیان ایک عالمگیر قحط کا خطرہ ہے جو ایشیا اور افریقہ کو اپنی ہیبتناک لپیٹ میں لے لے گا - اس کے بعد آپ فرماتے ہیں '' یہ ہے ایک نمونہ ان نا مکتناہی مصیبتوں کا جو انسان کی خالص ذہنی ترقی، روحانیت اور خدا پرستی کے ہر شائبہ سے آزاد ترقی اس کے آگے لا رہی ہے - عقل حیران ہے کہ آپ مصیبت کا نمونہ کسے قرار دے رہے ہیں - قحط کے ممکن خطرہ کو تو قرار یقیناً نہیں دے رہے ' کیونکہ اگر قحط کا خطرہ ہے تو یہ انسان کی خالص ذہنی ترقی سے تو نہیں پیدا ہوا یہ تو انسان کی '' عددی ترقی '' اور نسبتی طور پر انتاج غلہ کے انحطاط سے پیدا ہوا ہے جو ,, ذہنی ترقی '' نہ ہونے کے باعث ہے ' تو پھر آپ کے عتاب کا مورد اس ماہر معاشیات کی تنبیہ ہے جس نے ''ذہنی ترقی'' کی وجہ سے ممکن خطرہ سے آپ کو آگاہ کردیا - لیکن یہ کیا کوئی دینی جرم ہے ؟ کیا غیر متنبہ اور غفلت کی حالت میں

ایسے عذاب الیم میں گرفتار ہوجانا ، جو بقول قرآن عاصی قوموں کی سزا ہے۔ کوئی اچھی بات ہے - کیا اسی لئے مدیر صدق علم و دین میں تفریق کرنا چاہتے ہیں تاکہ اہل دین علم کی آگاہیوں اور تنبیہوں سے الگ میٹھی نیند سویا کریں ؟

مستشرقوں کا مقام ہمارے نزدیک بھی وہی ہے جو آپ کے نزدیک ہے - اس موضوع پر ملاحظہ ہو میرا مفصل بیان روزنامہ ''ڈان'' (DAWN) کراچی مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۶۳ع صفحہ ۴ -

هدانا الله جميعا الى الصراط المستقيم بهدى محمد صلى الله عليه وسلم

(ڈاکٹر) فضل الرحمن